خان غازی کابلی اعزازی کے قلم سے

یادوں کے چراغ جگمگاتے ہیں

(مشہور انقلابی مجاہد آزادی حکیم عبدالسلام ہزاروی آف ہری پور)

صوبہ سرحد (پاکستان) میں ضلع ہزارہ کا خطہ کئی لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ عقل ودانش میں یہ باوجود شعور کا حامل ہونے کے "خطۂ یونان" کہلانے کا مستحق ہے۔ حسن وجمال میں "ترک وتاتار" کو شرماتا ہے۔ اس کی حسین و شاداب وادیاں جو حسن ابدال (پنجہ صاحب) اور اٹک (دریائے سندھ) سے لے کر مظفر آباد۔ کاغان اور اگرور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کشمیر کی وادی سے زیادہ حسین وروح پرور ہیں۔ رنگا رنگ پھولوں اور مختلف قسم کے پھلوں اور میووں سے لدی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور شاعر کے اس شعر کے مصداق ہیں ؎

اگر فردوس بر روئے زمیں است ہمیں است وہمیں است وہمیں است

درہ خیبر کے راستے سے اولوالعزموں کے جو قافلے ہندوستان میں داخل ہوئے وہ سب بنگال وکنیا کماری (راس کماری) کے ساحلوں تک اقتدار کے پرچم لہراتے ہوئے پہنچے۔ لیکن افغانستان کے صوبہ "پاکتیا" سے درہ ٹوچی (میرم شاہ) کے راستے سے "غازی" کے قبیلے "تنی" کے بہادر اور حسن پرست جوان جب "مشکنام ہندوستان" کی نیت سے داخل ہوئے تو ضلع ہزارہ کے دامن میں پہنچ کر رک گئے۔ امب اور دربند آباد کر کے بس گئے۔ اور پاکتیا کی قدیم قومیت (قبائلی) نسبت کی وجہ سے "تنیولی یا تنی وال" کہلانے لگے۔ اسی طرح کئی اور قوموں نے بھی اس "فردوس بر روئے زمیں" کو اپنا وطن بنایا۔ ہندوستان کے مجاہد علماء کمپنی بہادر کے عہد میں "اندرا گاندھی" کی بریلی سے روانہ ہوئے تو انہوں نے ضلع ہزارہ کے میدانوں اور وادیوں میں شہادت کے جام نوش کئے۔ علامہ سید انور شاہ مظفر آبادی (کشمیری) نے اسی ضلع ہزارہ کے دارالعلوم کاکول میں مولانا فضل الدین سے "دین ودنیا" کے سبق پڑھے۔ اور پھر یہاں سے پرواز کر کے دیوبند پہنچے۔ صحافیوں قلم کاروں۔ دانشوروں، شاعروں اور ادیبوں کے سلسلے میں بھی اس ضلع کو ہمیشہ خاص اور بلند مقام حاصل رہا ہے۔ کشمیر و شملہ کی حسین فضاؤں اور مظفر نگر وسہارنپور کے علمی ودینی اداروں کے جتنے چرچے اور افسانے سنے اور سنائے جاتے ہیں وہ سب اپنی جگہ پر حقیقت افروز اور صداقت پر مبنی ہیں بلکہ اس میدان میں بھی اگر گستاخی کی بات نہ سمجھی جائے اور کسی کے "طبع نازک پر گراں نہ گزرے تو صوبہ سرحد کا

ضلع ہزارہ بجا طور پر شاعر کا شعر پڑھ سکتا ہے کہ ؎

فرہاد و قیس کیا ہیں کہاں کے ہیں فسانے
ٹکڑے چرا لیے ہیں کچھ میری داستاں سے

"تکلف برطرف!! اب مندرجہ تمہید کے بعد، مجاہد آزادی حکیم عبدالسلام ہزاروی اور رسوائے عالم غازی کے عشق و آزادی اور محبت کی داستان سماعت فرمائیے۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران جب ۱۹۱۵ء میں ہندوستان کی شمع آزادی کے پروانوں کا قافلہ مہاراجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ بھوپالی کی معیت میں براستہ ہرات کابل (افغانستان) پہنچا۔ غازی امان اللہ خان اور سردار نصر اللہ خان کی کوششوں سے ہندوستان کی پہلی آزاد عارضی حکومت تشکیل عمل میں آئی جس کے صدر مہندر پرتاپ وزیر اعظم مولانا برکت اللہ بھوپالی اور وزیر داخلہ مولانا عبیداللہ سندھی مقرر ہوئے۔ تو غازی کو بھی "شمع آزادیِ ہند" کے پروانوں میں شمولیت کی تحریک ہوئی۔ اور "پاکتیا" سے جذبۂ آزادی سے سرشار ہو کر پہلے پشاور پہنچے اور پیر مقبول شاہ (آف گھنٹہ گھر) کے ہاں قیام کیا اور پھر ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ہری پور اترے تو بر سر سڑک ایک ایسے نوجوان کو خیر مقدم اور خوش آمدید کرتے ہوئے دیکھا جس کا "سبزۂ خط" مرزا غالب کے محبوب کے "کاکل سرکش" کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اور غازی سے اس ادا کے ساتھ بغل گیر ہوا جیسے کوئی بچھڑا ہوا "سینہ چاک عاشق" اپنے محبوب سے گلے مل کر پرانی یادوں کو تازہ کرنے کی غرض سے ملا کرتا ہے۔ اس "سبز خط" "گلفام نوجوان کا نام "عبدالسلام" تھا جو کچھ عرصہ کے بعد سیاسی دنیا میں مجاہد آزادی انقلابی حکیم عبدالسلام ہزاروی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس نے کہا غازی صاحب! آپ مرسان ضلع متھرا مہاراجہ مہندر پرتاپ کے گاؤں جا رہے ہیں۔ مجھے بھی رفیق سفر بنانے کی عزت بخشئے۔ چونکہ ان دنوں جنگ جاری تھی۔ اور ضلع ہزارہ اور صوبہ سرحد میں جاسوسی کے بے پناہ جال پھیلے ہوئے تھے۔ اور ضلع ہزارہ کا "شیروان" اس سلسلہ میں خاص طور پر بدنام تھا۔ اور اس کا کردار انگریزوں سے وفاداری کے سلسلہ میں "بشرط استواری عین ایمان" تھا۔ اس لیے غازی گھبرائے اور جواب میں کہا کہ "مرسان" نہیں جا رہا ہوں بلکہ قادیان ضلع گورداسپور جاؤں گا۔ حالاں کہ غازی حقیقت میں مرسان ہی جا رہے تھے۔ اس نے مایوس لہجے میں کہا، کہ آپ مجھ سے حقیقت چھپانا چاہتے ہیں۔ اور مجھے رفیق سفر بنانے سے گھبراتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں آپ میرے گھر چلیے اور ما حضر تناول فرمائیے۔ غازی نے معذرت کی۔ تو یہ نوجوان بر سر سڑک ہی کہیں سے دو نان اور چپل کباب لایا۔ شکم پوری کے بعد غازی نے کہا۔ پیارے! اب مجھے اجازت دیجیے کہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاؤں۔ اس نے بغل گیر ہو کر اجازت دی اور کہا کہ آپ کی اطلاع مجھے پشاور سے مفتی سرحد مولانا عبدالرحیم پوپلزئی نے دی تھی ؎

اے میرے دل شیدا مت چھپا مجھ سے، جو تو ہے وہی میں ہوں

غازی کو اس نوجوان کی "برسرِ راہ" چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس قدر سرشار کیا تھا کہ اس سرشاری کا اثر مدرسان متھرا، بندرابن۔ ماتھرس اور علی گڑھ تک طاری رہا۔ کٹلیا میں ایک دوسرے نامور فرزند اور علی برادران کے رفیقِ خاص مولانا محمد عرفان سے ملاقات ہوئی۔ جو اب ممبئی کے ساحل پر قیامت کی نیند سو رہے ہیں۔ غازی کے سینڈ ہرسٹ میں قیام کے دوران ہی "پرنس آف ویلز" کا پروگرام "تاج محل" کو دیکھنے کا بنا۔ تو غازی آگرہ پہنچے تاکہ وہ "پرنس آف ویلز" کے خلاف کوئی ہنگامہ بپا کر کے یہ بتا سکیں کہ ہندوستانی ان کے دورۂ ہند سے خوش نہیں۔ مگر سیکورٹی کے انتظامات اور بعض دوسری وجوہات کی وجہ سے کوئی ہنگامہ بپا نہ ہو سکا۔ اور معلوم ہوا کہ اب "پرنس آف ویلز" پنجاب اور سرحد کا دورہ کریں گے۔ اس لئے غازی لاہور سے ہوتے ہوئے ہری پور اس نوجوان عبدالسلام ہزاروی کے پاس پہنچے۔ اور اپنے دل کی بات کہی۔ اس مرتبہ یہ نوجوان پوری طرح "ریش و بروت" سے آراستہ و پیراستہ تھے اور پہلے سے زیادہ حسین اور سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ اس نوجوان نے غازی سے کہا کہ آپ پشاور میں مفتی سرحد مولانا عبدالرحیم پوپلزئی کے پاس پہنچیں۔ اور وہاں میرا انتظار فرمائیں۔

غازی نے کہا کہ میرے خیال میں ہمارے عمل کا آغاز اٹک کے پُل سے ہونا چاہئے۔ اس لئے میں کیمل پور میں میوارام بھسین کے ہاں انتظار کروں گا۔ لیکن کیمل پور پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں پنجہ صاحب (حسن ابدال) میں غازی دھر لئے گئے۔ اور قلعہ اٹک میں گوروں کی بارک میں کامریڈ لکشمی چند مہرہ کے ساتھ سرکاری مہمان بنے۔ اس کے بعد یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ نوجوان (عبدالسلام) کیمل پور پہنچے یا نہیں، کیا ہوا اور کیا نہیں، لیکن ؎

یاد آتے ہیں بہت آغازِ الفت کے مزے عشق و آزادی سیاست کے مزے

غازی کئی سالوں تک قلعہ صبدک (وزیرستان) بنوں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان اور میانوالی کے زندانوں میں "دار و رسن کے امتحانات" دینے کے بعد جب قادیان ضلع گورداسپور پہنچے تو کچھ عرصہ تک "خوبان قادیان" کی محبت افروز مجلسوں سے لطف اندوز ہوتے رہے اور پھر ایک دن اس کے جذبۂ آزادی نے جو انگڑائی لی تو رونق ہنگامہ ہائے احرار اسلام ہوئے ؎

ناتوانی با جماعت یار باش رونق ہنگامۂ احرار باش

رونق ہنگامۂ احرار ہونے کے بعد غازی کی شہرت کا چرچا "عبدالسلام" نے ایسی حالت میں سنا جب کہ وہ صرف "عبدالسلام" نہیں بلکہ "حکیم عبدالسلام ہزاروی" کے نام سے شہرت حاصل کر چکے تھے اور ایک دن مجلس احرار اسلام کے دفتر میں تشریف لائے۔ اور بغل گیر ہو کر فرمایا کہ "میں نے تو سمجھا تھا کہ میرا یار غازی کسی میدان جہاد میں شہادت کا رتبہ حاصل کر چکا ہے۔ لیکن آپ تو زندہ و سلامت ہیں"۔ غازی نے عرض کیا ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!

شہادت کے بلند رتبے چار سدے کے حبیب نور اور مردان کے ہری کشن حاصل کر چکے ہیں اور ع

میرے نامۂ عمل میں نہ شہید ہے نہ غازی

اس کے بعد حکیم عبدالسلام ہزاروی نے فرمایا کہ صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں حریت پسندوں کی حکومت قائم ہوگئی ہے۔ اور ہم نے ایبٹ آباد میں ایک پولیٹیکل کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا ہے اور چاہتا ہوں کہ اس کی صدارت کی کرسی پر پنجاب کی کوئی اہم شخصیت رونق افروز ہو۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر کچلو۔ ڈاکٹر ست پال اور شیخ حسام الدین جیسے ہندوستان گیر شہرت کے لیڈروں کے نام سامنے آئے۔ حکیم صاحب کا اصرار تھا کہ کوئی ایسی شخصیت ہو جسے علمی اور مذہبی شہرت بھی حاصل ہو۔ سرحد کے حریت پرست لوگ مسلمان ہیں اور یہ بات قدرتی ہے کہ انہیں کوئی مذہبی شخصیت ہی صدارت کی کرسی پر نظر آئے گی تو مسرت ہوگی۔ اس پر غازی نے عرض کیا کہ ایسی شخصیت تو مولانا عبدالقادر قصوری کی ہی ہے۔

حکیم صاحب نے اس پر صاد کیا۔ اور ہم دونوں مولانا عبدالقادر قصوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے بخندہ پیشانی ہماری درخواست کو قبولیت کا شرف بخشا۔ تو اس کے بعد حکیم صاحب نے فرمایا کہ احرار میں سے کس کس کو مدعو کیا جائے۔ غازی نے کہا کہ بحالات موجودہ مولانا محمد اسمٰعیل ذبیح اور علامہ انور صابری کانفرنس میں شرکت فرما سکتے ہیں؟ اس پر حکیم صاحب نے فرمایا۔ اور آپ؟ غازی نے کہا کہ میرے جیسے "برہم زن محفل" کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ضلع ہزارہ اور سرحد کے نوجوان آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ خان غازی کابلی جیسے افغان کو "سرخپوشان احرار" نے کیسے پھانس رکھا ہے؟ اس پر غازی نے کہا کہ اچھا۔ آپ کی خاطر میں بھی اس حسین خطہ کو دیکھ کر دیدۂ دل کو روشن کروں گا۔ جو پہلے "صدیرگ" تھا اور اب "گل ہزارہ" کہلاتا ہے۔ اس پر حکیم صاحب زیرلب مسکراتے اور ان کے چہرے پر قوس وقزح کی لہریں ناچتی ہوئی نظر آئیں۔ اور یہ کہہ کر رخصت ہوتے ہ

اے ذوقؔ کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

خان عبدالغفار خان صاحب کی طویل جلاوطنی کے بعد ایبٹ آباد کی یہ پہلی پولیٹیکل کانفرنس تھی جس میں خان صاحب اور خدائی خدمت گار "ترنگے پرچم" کو "اللہ اکبر" سے مزین کر کے شامل ہوتے۔ بعض غالی قسم کے لوگوں نے نعرہ ہائے تکبیر اور "ترنگے پرچم" پر اللہ اکبر دیکھ کر کھسر پھسر بھی کی۔ مگر عبدالسلام نے نہایت جرأت کے ساتھ انہیں ڈانٹا۔ اور کہا کہ صوبہ سرحد پختونوں اور مسلمانوں کا صوبہ ہے۔ یہاں اللہ اکبر کا وہی مطلب اور اثر ہے جو پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں" انقلاب زندہ باد" کے نعرے کا ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں سرحد کانگرس کے صدر خان غلام محمد خان آف لوند خوڑ تھے۔ جو کانفرنس میں بنفس نفیس شریک تھے۔ صدر کانفرنس مولانا عبدالقادر قصوری کا خطبہ صدارت سرحد کے حریت پرست لوگوں کے جذبات کی پوری ترجمانی کرنے والا تھا۔ دوسرے مقرروں کی تقریریں بھی پرجوش اور ولولہ انگیز تھیں۔ مولانا انور صابری کی نظم نے پورے پنڈال میں ہلچل اور زندگی کی لہریں موجزن

گروی تھیں۔ اس نظم کا عنوان تھا ''غلام قوم کا سجدہ حرام ہوتا ہے''

حکیم عبدالسلام کے سلسلے میں یہ بات بھی عجیب، دلچسپ اور قابل ذکر ہے۔ کہ اگرچہ ان کے مالی وسائل بے حد محدود تھے اور چندوں کے لئے دامن پھیلانا بھی ان کی عادت میں شامل نہ تھا۔ لیکن وہ ہر جلسہ کا انتظام بغیر کسی چندے کے کرایا کرتے تھے۔ اور اس ایبٹ آباد کی کانفرنس کے کرتا دھرتا بھی خود ہی تن تنہا تھے۔ کوئی اور نہ تھا۔ اسی طرح کانفرنس کے خاتمہ پر حکیم عبدالسلام ہزاروی نے سب کو آمد و رفت کے کرائے کے علاوہ ایک معقول رقم بھی پیش کی اور صوبہ سرحد کے تحائف بھی نذر کئے۔ اور غازی کو تو اتنا نوازا کہ اس نے اس رقم سے تمام سرحد کا دورہ کیا۔ اور جب غازی نے حیرت کے ساتھ پوچھا کہ آپ نے اتنی بڑی کانفرنس بغیر کسی مدد اور چندوں کے کیسے کی تو متبسم ہو کر فرمایا کہ ہمت مرداں اور خدا کی مدد سے ہی ایسی کانفرنسیں ہوا کرتی ہیں۔

حکیم صاحب اگرچہ بنیادی طور پر راسخ العقیدہ مسلمان اور سچے محب وطن اور حریت و آزادی کے علمبردار تھے لیکن پارٹی بازیوں اور نام و نمود اور سستی شہرت کے سخت خلاف تھے۔ ہندوستان بھر کے مشاہیر کی خدمت اور میزبانی کا انہیں شرف و اعزاز حاصل تھا ان کے دوستوں اور مہمانوں میں مولانا ابوالکلام آزاد جیسے مفسر قرآن آتش بیان مقرر خطیب بھی تھے۔ اور بلبل ریاض رسول امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی تھے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی جیسے مجاہد اور متقی و پرہیزگار بھی تھے۔ اور مولانا مظہر علی اظہر و سید فضل حسن حسرت موہانی جیسے بے باک اور جرأت و کردار کے مالک رہنما بھی تھے۔ علی برادران کے تو مولانا محمد عرفان کی طرح عاشق تھے۔

انقلابیوں میں سے سبھاش چندر بوس جیسے بین الاقوامی شہرت کے لوگوں سے ان کے گہرے تعلقات استوار تھے۔ انتہا یہ کہ ''قبلۂ رنداں لم یزل حضرت جوش خان ملیح آبادی بھی ان کے محبوب شاعر اور دوست تھے۔ اور ان کے اس قسم کے اشعار گنگنایا کرتے تھے۔ ؎

اس بے وفا کے حسن پہ شیدا کیا ہے کیوں
نامرد قوم میں مجھے پیدا کیا ہے کیوں؟

ستمبر ۱۹۳۹ء میں ''ہٹلر اعظم'' اور ''مغرب کے کفن چوروں'' میں ٹھن گئی تو ہندوستان بھر کے خطرناک انقلابیوں کو ''راجستھان'' کے ''دیولی کیمپ'' میں نظر بند کیا گیا اور صوبہ سرحد کے خطرناک انقلابیوں کی نمائندگی کا شرف و اعزاز اس ''کیمپ'' میں حکیم عبدالسلام ہزاروی کو حاصل ہوا۔ مختصر یہ کہ حکیم صاحب اپنی ذات میں تنہا ایک ادارے کی حیثیت رکھتے تھے اور شاعر کے اس شعر کے صحیح مصداق تھے ؎

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

یہ ایک حقیقت تھی کہ حکیم صاحب ''آزادی'' کے ایک ایسے ہی چراغ تھے جو آزادی کی ہر محفل میں جگمگاتے نظر آتے تھے۔ ایبٹ آباد کانفرنس میں جب مولانا انور صابری کی اس نظم نے ہلچل مچادی تھی جس کا عنوان تھا کہ

"غلام قوم کا سجدہ حرام ہوتا ہے" تو حکیم عبدالسلام ہزاروی کی رگ جمیعت اسلامی نے پھڑک کر برسر اسٹیج اعلان کیا کہ "دوستو! خدا کے حضور میں غلامی اور آزادی اور ہر حالت میں سجدہ حلال اور ضروری ہوا کرتا ہے۔ شاعروں کی دنیا ہمیشہ سب سے الگ ہوا کرتی ہے۔ ان کے ظاہری الفاظ پر عمل کر کے سجدہ کو ترک نہ کرنا۔ بلکہ اس کے حقیقی معنوں پر غور کر کے حصول آزادی کے لئے جدوجہد رکھئے"

اور کہا کہ شاعر جو کہتے ہیں ان کے ظاہری الفاظ کے معنی اور ہوتے ہیں اور حقیقی معنی کچھ اور ہوتے ہیں اور خواجہ میر درد کا سنایا کہ ؎

ساغر زریں ہو یا مٹی کا ہو اک ٹھیکرا تو نظر کر اس پہ جو کہ اس کے اندر ہے بھرا

مختصر یہ کہ بقول غالب ع

قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

حکیم عبدالسلام ہزاروی بھی ملکی سیاست کے ہر پردے میں ایک سچے اور غیور مسلمان ہی نظر آیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ایک سچے مسلمان ہونے کی وجہ سے ہی حب الوطنی میرے ایمان میں شامل ہے۔

مفتی سرحد مولانا عبدالرحیم پوپلزئی اور حکیم عبدالسلام ہزاروی دونوں میں بعض عادتیں مشترک تھیں۔ مولانا عبدالرحیم صاحب جب کسی شہر میں جایا کرتے تو اس شہر کے قومی کارکنوں سے ملا کرتے تھے۔ اور باوجود کمیونسٹ ہونے کے مذہبی فرائض کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ سفید کھدر کے لباس کو زیب تن کرتے اور سر پر صافہ (سفید پگڑی) باندھتے تھے۔ یہ تمام باتیں بہت حد تک حکیم عبدالسلام ہزاروی میں بھی تھیں۔ غازی نے حکیم عبدالسلام ہزاروی کو ہمیشہ سفید کھدر کے لباس میں ملبوس اور سر پر سیاہ ٹوپی (بالوں والی) سجائے دیکھا۔ اس ٹوپی اور کالی سیاہ "ریش و بروت" کے درمیان ان کا گلفام مکھڑا بے حد حسین اور جاذب نظر آیا کرتا تھا۔ دینی اور مذہبی فرائض کو ہر حالت میں ادا کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ تقسیم وطن سے چند ماہ پہلے غازی کیمل پور اپنے دوست میر احمد شاہ وکیل اور لالہ سیوارام بھسین سے ملنے گئے تھے۔ حکیم صاحب کو معلوم ہوا تو کیمل پور تشریف لاتے اور میر احمد شاہ وکیل کے دولت کدے پر ملے۔ اس وقت لالہ سیوارام بھسین اور چند اور نوجوان بھی موجود تھے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ پاکستان کا قیام عمل میں آنے والا ہے۔ آپ کا کیا ارادہ ہے۔ غازی نے عرض کیا کہ جس دن پاکستان کا قیام عمل میں آجائے گا۔ اس دن غازی پاکستان میں نہ ہوں گے۔ بلکہ افغانستان یا ہندوستان میں ہوں گے۔

حکیم صاحب نے غمگین لہجے میں کہا کہ کیا آپ اپنے دوستوں کو داغ مفارقت دے جائیں گے۔ غازی نے کہا کہ

ہاں! اس لئے کہ میں پاکستان میں منافقانہ زندگی بسر کرنے سے یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ ہندوستان چلا جاؤں۔ حکیم صاحب نے کہا کہ ہندوستان میں آپ کی شخصیت علامہ اقبال کے اس شعر کی مصداق ہوگی ؎

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا　　　اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

ہندوستان کے مسلمان آپ کو کافر سمجھیں گے کہ مسلمان ہو کر پاکستان سے ہندوؤں کے ساتھ ہجرت کر کے چلا آیا ہے اور ہندوستان کے ہندو کہیں گے کہ ہمارے ساتھ یہ پاکستان کا جاسوس آگیا ہے۔ غازی نے کہا کہ میں یہ کوشش کروں گا کہ ان دونوں بلاؤں سے بچ کر رہوں اور جوش خان کا یہ شعر سنایا کہ

اے خدا مجھ کو بلائے کفر و ایماں سے بچا　　　اپنے ہندو سے بچا اپنے مسلماں سے بچا

اس گفتگو کے دوران نماز عصر کا وقت آیا تو حکیم صاحب فوراً نماز کے لئے اٹھ کر چلے گئے۔ اور نماز پڑھ کر واپس آئے تو یہ کہہ کر رخصت لی کہ ہم اپنے غازی کو کبھی ہندوستان نہیں جانے دیں گے۔

کیمل پور میں آنا صرف آپ کی ملاقات کی غرض سے ہوا تھا۔ آپ سے ملاقات ہوگئی اور دل کی بات بھی کہہ دی۔ آگے آپ مانیں یا نہ مانیں ؎

مانو نہ مانو "خان خاناں" اختیار ہے　　　ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

اب ہری پور جا رہا ہوں اور لوگ اور مریض میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔

حکیم عبدالسلام ہزاروی سے متعلق بہت سے واقعات کا انبار دل و دماغ کے جھروکوں میں پڑا ہے۔ مگر غازی اس مضمون کو غالب کے اس مصرعہ پر ختم کرتے ہیں ع

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

مکرمی محترمی مولانا سمیع الحق صاحب حقانی۔　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کو شاید یاد ہو کہ "الحق" کی کسی اشاعت میں حکیم عبدالسلام ہزاروی کا ایک مضمون بعنوان "کابل کی مشکبار فضاؤں میں" شائع ہوا تھا اور یہی غازی اور حقانی برادران کے درمیان تجدید دوستی کی بنیاد بنا تھا۔ اس لئے حکیم عبدالسلام ہزاروی سے متعلق غازی نے جو یادداشتیں سپرد قلم کر کے قرطاس ابیض پر بکھیری ہیں اس کی ایک نقل "الحق" میں اشاعت کے لئے ارسال خدمت ہے۔ غازی کو امید واثق ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ اسے شائع کر کے مجاہد آزادی حکیم عبدالسلام ہزاروی کی روح کو شاد اور غازی کو شکر گذاری کا اعزاز بخشیں گے۔ قبلہ مولانا عبدالحق محدث اور دوسر تمام برادران دارالعلوم حقانیہ کو سلام مسنون قبول ہو ؎

سلام شوق بارگاہ تک پہنچے　　　دھڑکتے دل کی صدا نگاہ تک پہنچے

(خان غازی کابلی)